سائے ہم سفر

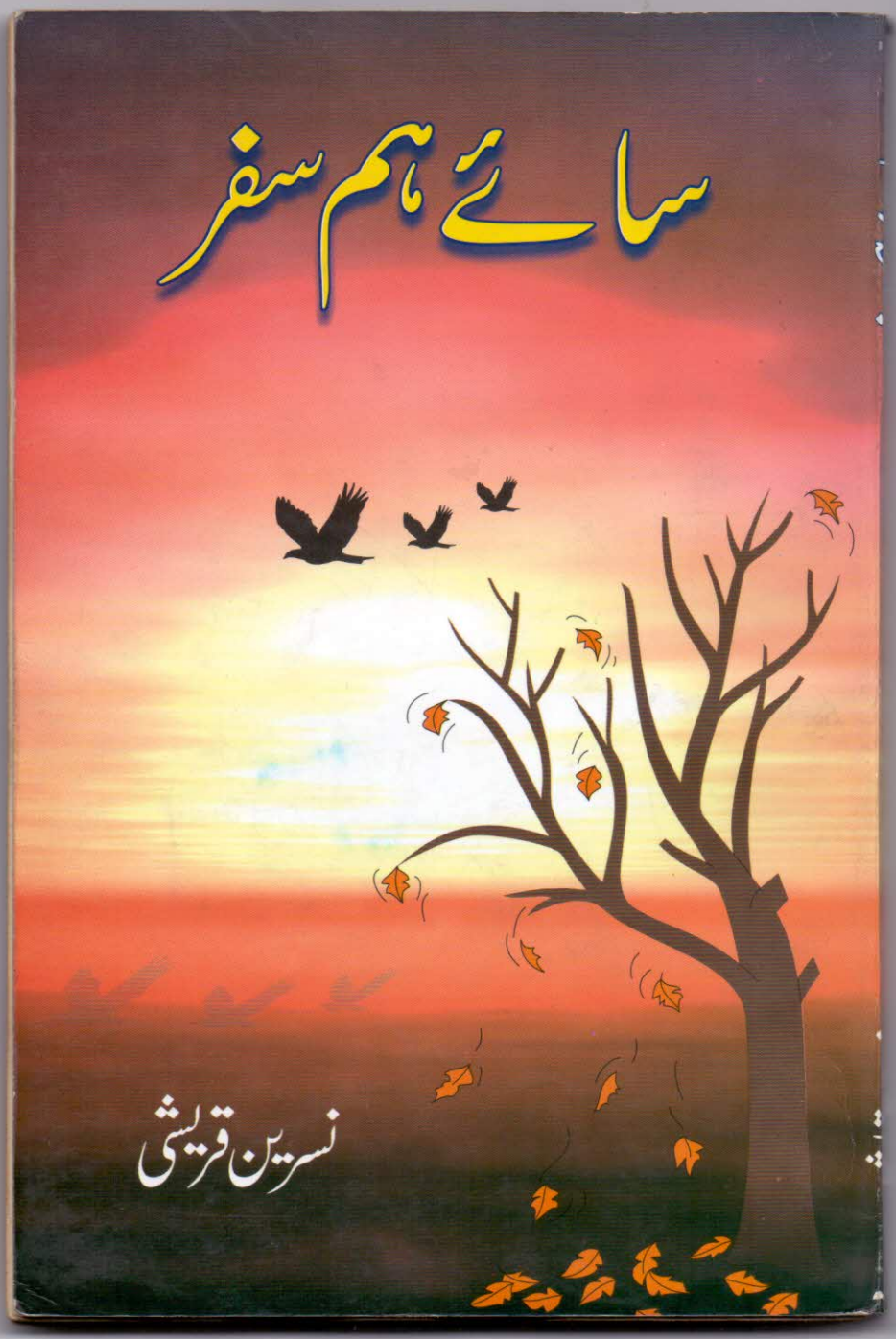

نسرین قریشی

پہلا باب

مجھے امریکا آئے ہوئے تقریباً ایک مہینہ ہونے کو ہے۔ میں نے زندگی میں پہلی دفعہ جہاز کا سفر کیا وہ سات سمندر پار جو کہ چھتیس گھنٹے میں جا کر پورا ہوا۔ چوبیس گھنٹے زمین سے ہزاروں فیٹ کی بلندی پر فضا میں اور باقی بارہ گھنٹے دو جگہ جہاز کے رکنے کی نظر ہوئے اور کچھ لیل و نہار کی گردش کے۔

تھکی ہاری جب مینیا پلس پہنچی تو فیروز چچا ہاتھ ہلاتے میری طرف تیزی سے بڑھتے ہوئے آئے۔ میں تو انہیں ڈھونڈنے میں شاید کچھ دیر لگاتی لیکن وہ سیدھے میری طرف ہی آئے اور فوراً گلے لگا کر بولے۔

''بیٹی اچھا کیا تم آ گئیں۔''

ہم دونوں تیز تیز قدم اٹھاتے مسافروں کا سامان جمع ہونے کی جگہ پہنچ گئے اور کچھ ہی دیر میں چچا اور میں حدِ نگاہ تک پارک کی ہوئی گاڑیوں سے گزرتے ہوئے چچا کی گاڑی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ مجال ہے کہ کوئی گاڑی اپنی مقررہ جگہ سے تجاوز کر کے کھڑی ہوتی۔ سب گاڑیوں میں مناسب فاصلہ تھا اور ہر کوئی اپنی سہولت سے نکال سکتا تھا۔ میرے آدھے

سوئے ہوئے ذہن میں سوال ابھرا کہ میرے ملک میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟

ابھی تک پیرس اور نیویارک کے ہوائی اڈوں کے طول وعرض اور شان وشوکت سے متاثر ہو رہی تھی لیکن مینیاپلس کے ہوائی اڈے سے باہر نکلے تو آنکھیں ہی ششدر رہ گئیں۔ رات بھی اتنی روشن کہ چھوٹی سی چیز بھی نہ نظروں سے اوجھل ہو سکے۔ نہ ہی انسانوں کی دھکم پیل نہ ہی گاڑیوں کا طوفان بے تمیزی۔ گھر تک کا راستہ زیادہ تو خاموش ہی گزرا۔ شاید فیروز چچا کو احساس تھا کہ میں کتنی تھک چکی ہوں گی۔ امی ابو کا حال پوچھنے کے بعد چچا نے میری پڑھائی کا پوچھا اور کچھ دیر بعد ہم ایک نسبتاً سنسان سے علاقے میں داخل ہو گئے۔ چچا کی آواز نے مجھے میٹھی میٹھی اونگھ سے جگا دیا۔

''بیٹی یہ میرا ڈریم ہاؤس ہے۔''

اور ہم جنگل میں بنی ہوئی ایک چھوٹی سی سڑک سے ہوتے ہوئے ایک بہت بڑے گھر کے باہر رک گئے۔ نہ چچا نے ہارن پہ ہارن بجا کے اپنی آمد کی اطلاع دی اور نہ ہی کوئی ملازم باہر آیا۔ بلکہ چچا نے میرے دونوں سوٹ کیس خود ہی اٹھائے اور ہم دونوں گھر میں داخل ہو گئے۔ چچا بولے:

''بیگم آ جاؤ بھئی، ہم لوگ آ گئے ہیں۔''

اور پہلا دھچکا مجھے یہ لگا کہ چچی جان نے جینز اور ٹی شرٹ یوں پہن رکھی تھی جیسے ان کا آبائی لباس ہو۔ میرا ماتھا چوما اور مجھے سر سے پاؤں

تک ایک ہی نظر میں جانچ کر بولیں۔

''ارے بھئی واہ لگتا ہے احسن اور حمیرا نے تمہاری اٹھان پچھلی صدی میں اٹھائی ہے۔''

''چچی میں سمجھی نہیں۔''

''چلو چھوڑو ذرا فریش اپ ہو جاؤ پھر کھانا کھائیں گے۔ آج تمہارے ساتھ دوبارہ سہی۔''

''چچی مجھے تو معاف ہی رکھیں بالکل بھوک نہیں ہے اور جہاز میں بھی کھانا ملتا رہا۔''

چچی نے بالکل اصرار نہ کیا اور مجھے میرا بیڈ روم دکھانے چل پڑیں۔ ان کے جاتے ہی میں دھڑام سے بستر پر لیٹی اور کچھ ہوش نہ رہا۔ جب آنکھ کھلی تو ذہن کچھ کام کرتا ہوا لگا گھڑی پر نظر پڑی تو چھ بجے تھے سوچا یہ تو بہت جلدی آنکھ کھل گئی مگر پردہ ہٹا کر دیکھا تو سورج پوری آب وتاب سے چمک رہا تھا۔ اپنے منہ پر دو چار طمانچے مارے کہ چکر کیا ہے میں نیند میں تو نہیں ہوں لیکن جب یہ شبہ بھی دور ہو گیا تو پھر کیا تھا۔ چھلانگ لگائی اور کمرے سے باہر نکلی۔ سامنے سے میری ماڈرن زمانے کی چچی آتی دکھائی دیں۔ مجھے دیکھتے ہی بولیں۔

''شکر ہے تم اٹھ گئیں چچا کہہ رہے تھے کھانا تمہارے ساتھ کھائیں گے۔''

''چچی جان چھ بجے کون سا کھانا؟ اور یہ سورج کیا رات کے تین بجے ہی نکل آتا ہے کہ چھ بجے اتنا اوپر ہے؟''

ساتھ والے کمرے سے چچا فیروز کی آواز آئی۔

''ارے بھئی یہ شام کے چھ بجے ہیں۔ اور بیٹی آپ پورے اٹھارہ گھنٹے سوئی ہو۔''

پیشتر اس کے کہ دماغ بالکل ہی ماؤف ہو جاتا میں نے دس منٹ کی مہلت مانگی جلدی سے شاور لیا اور جو کپڑے بھی سامنے پڑے تھے پہنے اور دونوں کے ساتھ شامل ہو گئی۔ کھانا تو چچی نے بنایا ہی مزے دار تھا کچھ ماحول سے اور بھی فرحت بخش لگ رہا تھا۔

کھانے کے کمرے میں بڑی بڑی کھڑکیاں ایک لکڑی کے بنے ہوئے ٹیرس پر کھلتی اور ٹیرس سے سیڑھیاں لان میں اترتی۔ لان کے بعد گھنا جنگل جو کہ بعد میں پتا چلا کہ وہ بھی چچا کی ہی زمین ہے کاش میری سہیلیاں شانزے، آمنہ اور ماہا میرے ساتھ ہوتیں تو جنگل میں گھومنے کا شوق تو پورا ہو جاتا مگر اس وقت تو یہ دو بزرگ ہی میرے کمپنی تھے۔ دادی نے ایک دفعہ ان کے بچوں کا ذکر تو کیا تھا مگر گھر میں ان کے کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ ٹیرس سے ذرا ہٹ کے ایک چبوترا سا تھا۔ میرے پوچھنے پر چچا نے بتایا کہ وہ نہانے کا گرم ٹب تھا اور بقول چچا کے سردیوں میں جب خوب برف پڑی ہو تو اس میں نہانے کا مزا ہی اور ہے۔ ان کی یہ بات بالکل ہی

میرے سر کے اوپر سے گزر گئی اور میں نے مزید سوال کئے بغیر ٹھنڈا ٹھنڈا انگور کا جوس حلق میں اتارنا شروع کر دیا۔

کھانے کے بعد چچا نے مجھے گھر کا چکر لگوایا اور چچی شاید کچن میں مصروف ہو گئیں۔ سب سے پہلے نیچے تہہ خانے میں اترے۔ بڑا سارا ہال اور بڑی بڑی کھڑکیاں کمال مہارت سے زمین کھود کر ہال کو روشن اور کشادہ کرنے میں مددگار۔ ایک طرف تو ورزش کرنے کی بہت ساری مشینیں رکھی ہوئی۔ دوسری طرف ٹیبل ٹینس کھیلنے کی میز اور ایک طرف بلیئرڈ کھیلنے کا میز۔ سب لوازمات کو دیکھ کر چچا بولے: ''بیٹی جب تینوں بچے گھر میں تھے تو یہاں کافی رونق ہوا کرتی تھی۔'' میری ہمت نہ ہوئی کہ پوچھتی ''اب کہاں ہیں.....'' خاموشی سے چچا کے پیچھے باقی گھر کے دورے پر اوپر آ گئی۔ سب کمرے مناسب فرنیچر سے سجائے گئے تھے۔ سب چیزوں کے رنگ ہلکے ہلکے اور آپس میں ہم آہنگ۔ میرے ملک میں بھی کئی بستیاں بڑے بڑے گھروں سے بھری پڑی ہیں مگر ایسا سلیقہ اور قرینہ کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ خیر کچھ دیر گپ شپ ہوتی رہی اور جلد ہی محفل برخاست ہوئی کیونکہ چچا اور چچی کو صبح کام پہ جانا تھا۔

اگلے دن صبح اٹھی تو پتا چلا کہ میں گھر میں اکیلی تھی۔ پہلے تو کچھ عجیب بھی لگا اور کچھ ڈر بھی لگا۔ لیکن شکر ہے چچی کے فون سے تسلی ہو گئی انہوں نے بتایا کہ خدانخواستہ اگر کوئی گھر میں غیر داخل ہونے کی کوشش کرے گا تو

دو منٹ میں پولیس پہنچ جائے گی کیونکہ سیکورٹی الارم لگا ہوا تھا..... تسلی تو ہو گئی مگر شام کو دونوں بزرگ آئے تو مجھے چین آیا۔ چچی کو سکرٹ اور کوٹ میں دیکھ کر چچی نے میری حیرانی محسوس کر لی اور بولیں۔

''بیٹی جاب پر یہ کپڑے پہننے پڑتے ہیں۔''

اور میری پیاری دادی کی بات میرے کانوں میں گونجنے لگی کہ ''انسان جس ماحول میں رہتا ہے آہستہ آہستہ اس کے رنگ ڈھنگ اپنا لیتا ہے۔'' میں نے سوچا کہ اگر اس گھر میں روزانہ یہی معمول رہے گا تو میری چھٹیوں کا یہ مہینہ تو بہت بوریت کا گزرے گا۔

پاکستان میں ہوتی تو کم از کم سب سہیلیاں فارغ وقت میں اکٹھی ہوتیں۔ ماہا کی منگنی پر کتنا مزا آیا تھا۔ اس کے منگیتر کو آمنہ نے اور میں نے اتنا ستایا تھا کہ بے چارے کو جان چھڑانی مشکل ہو گئی تھی۔ ماہا نے یونیورسٹی میں داخلہ تو لے لیا ہے لیکن امید نہیں کہ اس کی ساس اس کو پڑھائی مکمل کرنے دے۔ آمنہ اور شانزے تو میٹرک کر کے ہی ہوم اکنامکس میں چلی گئی تھیں۔ لیکن گھر قریب ہونے کی وجہ سے ہماری دوستی میں کوئی فرق نہیں پڑا۔ اور میں؟ میرے تو ابھی پورے تین سال کافی مشکل ہیں۔ کیوں نہ ہوں! پاکستان کی نامور ڈاکٹر جو بننا ہے۔ اور فرسٹ پراف کے بعد یہ تھوڑی سی چھٹیاں ملیں تو ان بزرگوں کی نظر ہو جائیں گی۔ خیر ہفتہ تو یونہی گزر گیا لیکن اب چچا اور چچی نے خوب سیر کرانی شروع کی ہے۔ وہ لوگ کسی بھی کام

کے لیے جائیں میں ساتھ چلی جاتی ہوں۔ صبح دیر سے اٹھتی اور ناشتہ کر کے یہاں کے سلسلہ وار ڈرامے دیکھنا میرا روزانہ کا معمول ہے اور شام کو بازاروں میں۔ یہاں کی صفائی نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔ جس طرح دادی کہتی تھی کہ انسان دن میں پانچ دفعہ وضو کر کے بالکل پاک ہو جاتا ہے مجھے تو لگتا ہے یہ پورا شہر دن میں پانچ دفعہ جیسے صاف ہوتا ہے۔

سارے شہر میں صرف مٹی کی زمین تو نظر ہی نہیں آتی۔ ہر طرف گھاس ہی گھاس ہے۔ درختوں کے تنوں کے گرد اور کیاریوں میں مٹی کی جگہ یا تو چھوٹی چھوٹی بجری پڑی ہوتی ہے یا لکڑی کا برادہ۔ سب ٹھیک ہے مگر یہاں کی بے حیائی دل کو بہت ناگوار لگتی ہے سر عام لڑکے لڑکیاں محبت کے اظہار کو معیوب نہیں سمجھتے اور کتنا بھی صرفِ نظر کرو کسی نہ کسی پر نظر پڑ ہی جاتی ہے۔ ایک ہی چھت کے نیچے بہت بڑے بڑے بازار ہیں اور کئی کئی منزلہ عمارتیں۔ سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈی۔ پوری عمارت بازار تو کیا ایک تفریح گاہ ہوتی ہے جگہ جگہ خوبصورت بینچ آرام کے لیے رکھے ہیں۔ بڑے بڑے درخت اور خوب صورت بیلیں نہایت موزوں جگہوں پر رکھی ہوئی ہیں۔ یہ سب درخت اور پودے اصلی لگتے ہیں۔ عمارت کے اندر ہی ریستورانٹ ہیں کئی کئی غسلخانے ہیں ہر وقت شیشے کی طرح چمکتے ہیں۔ شکر ہے مرد اور عورتوں کے علیحدہ ہیں۔ ایک پلازہ میں گھومنے کے لیے کم از کم ڈھائی تین گھنٹے لگ ہی جاتے ہیں۔ ایک منزل سے دوسری منزل تک